تائید میں میں ایک تازہ ترین خبر پیش کرتا ہوں۔ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی نے ٹیلی ویژن پروگراموں کے خلاف تشویش ظاہر کرتے ہوئے احتجاجاً کہا ہے کہ:

"ان پروگراموں میں نہ صرف واقعاتی غلطیاں ہوتی ہیں بلکہ عام دیکھنے والے یہ تاثر قائم کرتے ہیں کہ بعض نہایت اہم حکمرانوں کا کردار درحقیقت قابل مذمت تھا۔ ......" ہماری تاریخ کو ہماری آنکھوں کے سامنے مسخ کیا جارہا ہے۔" (نوائے وقت مورخہ ۱۰ رجون ۱۹۷۵ء ص ۲، کالم ۲،۳ -)

یہ کارنامہ خود ہمارے اپنے مسلمانِ کرام کے ہاتھوں انجام پارہا ہے۔ اور اگر آپ ان لوگوں کو تصوّر میں لائیں جنہوں نے سندھ کی تاریخ میں داہر جیسے مجسمۂ ظلم و شیطنت کو ایک جیتے محبِ وطن کردار سے آراستہ کر کے محمد بن قاسم کے پاکیزہ کردار کو بدترین صورت میں مسخ کیا ہے، انہیں اگر ٹیلی وژن پر من مانے طرز پر کام کرنے کا موقع مل جائے یا اپنی تاریخ کو اپنے تصوّرات کے مطابق فلمانے کا لائسنس انہیں دے دیا جائے تو فاسد پروپیگنڈے کی یہ یلغار کتنی خوفناک ہوگی۔

اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ہماری تاریخ اور خصوصاً اس کا مقدس ترین دَور مسلم دشمن فلم سازوں کے ہتھے چڑھ جائے تو کیا کیا قیامتیں نہ گذر جائیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اپنی نادانیوں اور دشمنوں کی عیاریوں سے بچائے۔

(۲)

" دعوتِ اسلامی کی کامیابی کا راستہ " — موجودہ جمہوریت کش ماحول میں دعوتِ اسلامی کا کام

" دعوتِ اسلامی کی کامیابی کا راستہ" کے عنوان سے مولینا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی کی طرف سے صوبائی تربیت گاہ میں چند روزمرّہ پیش آنے والے سوالات کے جواب میں بڑے مؤثر انداز میں کام کی باتیں کارکنانِ تحریکِ اسلامی سے کہی گئی ہیں۔ مولینا اپنے موجودہ دورِ عمر و صحت میں کسی موقع پر جو مختصر ارشادات پیش کرتے ہیں وہ ہمارے تحریکی سرمایۂ فکر میں گرانقدر اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ اِن ارشادات کی اہمیت اس لحاظ سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ اب مولینا کی وسعتِ علم کے ساتھ تہائی صدی کے تحریکی کام کا عملی تجربہ بھی شامل ہے۔ کاش کہ لوگ ان چیزوں کو فکر و تدبر کے ساتھ پڑھیں، اور اپنی روزمرّہ پالیسیوں اور اقدامات کی تشکیل میں ان سے مکمل استفادہ کریں۔

میں نے اس حصّہ کو بغور پڑھا اور جہاں جہاں کوئی چیز خاص طور پر دامن کشِ توجہ ہوئی وہاں

رُک کر حالات کو سوچا۔

مثلاً $\frac{۱۸۵}{۳۵}$ صفحے کا دوسرا سوال موجودہ جمہوریت کُش فضا میں اسلام کو جمہوری طریقِ دعوت سے پیش کرنے پر اُس اشکال کا عکاس ہے جو بکثرت ذہنوں میں پایا جاتا ہے۔ اس پوری بحث سے تو غرض کرنا مقصود نہیں، البتہ اس کے ایک پہلو کو اُجاگر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ مولانا نے فرمایا:

" اسلام کا کام کرنے کے لیے کھلی ہموار شاہ راہ تو کبھی نہیں ملی ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوا، جبر و ظلم کے مقابلے میں ہر طرح کی کڑیاں جھیل کر ہی ہوا، اور وہ لوگ کبھی یہ کام نہ کرسکے جو یہ سوچتے رہے کہ جاہلیت کے علمبرداروں کی اجازت، یا اُن کی عطا کردہ سہولت ملے تو وہ راہِ خدا میں پیش قدمی کریں۔ آپ جن برگزیدہ ہستیوں کے نقشِ پا کی پیروی کر رہے ہیں، اُنھوں نے اُس ماحول میں یہ کام کیا تھا جہاں جنگل کا قانون نافذ تھا اور کسی شہری آزادی یا بنیادی حق کا تصور تک موجود نہ تھا......... جب ایک معقول اور دل لگتی بات کو عمدہ اخلاق کے لوگ لے کر کھڑے ہوں، اور سخت سے سخت ظلم و ستم سہنے کے باوجود اپنی بات ہر حالت میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے جائیں تو لازمی طور پر اس کے تین نتائج رونما ہوتے ہیں۔ ایک نتیجہ یہ کہ اس صورتِ حال میں بہت زیادہ باہمت اور اولوالعزم لوگ ہی اس دعوت کو علانیہ قبول کرتے ہیں اور وہ اس کے لیے ایسا قیمتی سرمایہ ثابت ہوتے ہیں جو کسی دوسری صورت میں بہم نہیں پہنچ سکتا۔ دوسرا نتیجہ یہ کہ اس خوفناک فضا میں بکثرت، بلکہ بے اندازہ لوگ اس دعوت کو دل میں مان لیتے ہیں مگر آگے بڑھ کر اس میں شامل نہیں ہوتے۔ مخالف طاقت آخرکار اس کا نقصان خود اُٹھاتی ہے۔ اسے قطعی اور حتمی شکست ہونے تک کبھی یہ پتہ ہی نہیں چلنے پاتا کہ جس دعوت کو مٹا دینے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہے، اس کے حامی کہاں کہاں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ اُس کی اپنی صفوں تک میں موجود ہوتے ہیں اور وہ اُن سے بے خبر رہتی ہے۔ تیسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخلاقی برتری اور دعوت کی معقولیت اور صداقت اپنی فطری طاقت سے بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اس کے دشمن اس کے پیروؤں پر جتنا زیادہ ظلم کرتے ہیں اُتنے ہی وہ

ہر شریف النفس اور نیک طبع انسان کی نظر سے گرتے جاتے ہیں۔ اُس کے برعکس جتنی ہمت اور ثابت قدمی کے ساتھ ظلم برداشت کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنی حق پرستی سے بال برابر بھی نہیں ہٹتے، اتنی ہی اُن کی قدر و منزلت عام دیکھنے والوں ہی میں نہیں بلکہ خود دشمنوں کی صفوں میں بھی بڑھتی چلی جاتی ہے .... یہ تو حق کی کامیابی کا فطری راستہ ہے"۔

اصل میں یہ اس اضطراب کا جواب ہے جو دعوتِ اسلام کو معلّمانہ، اخلاقی اور جمہوری اسلوب سے پیش کرنے میں موجودہ جمہوریت کش ماحول میں پیش آ رہا ہے۔ متذکرہ جواب میں ایک حقیقت مضمر ایسی ہے جسے میں نمایاں کر دینا چاہتا ہوں۔ وہ یہ کہ تاریخ انسانی میں جہاں ظلم و تشدّد کی ایک قوت کام کرتی دکھائی دیتی ہے، وہاں اس کے جواب میں مظلومیت خود ایک ایسی دوسری قوت ہے جس نے بارہا انسانی افکار و کردار کو بدلا اور تاریخی رَو کا رُخ موڑا ہے۔ اپنے اقتدار اور مفاد کے لیے ظلم کرنا بھی ایک چیز ہے، اگر ذاتی نفع و نقصان سے بے نیاز ہو کر دعوتِ حق پر ثابت قدم رہتے ہوئے ظلم سہنا بھی ایک زبردست تاریخی و سیاسی محرک ہے۔ یہ حقیقت اگر سامنے ہو جسے قرآن نے بہت اچھی طرح اُجاگر کیا ہے، تو پھر عزم و ثبات کے ساتھ صبر کا مظاہرہ بڑے دُوررس اثرات رکھتا ہے۔

ایک اور چیز جو ہمارے کارکنوں کی نگاہ میں رہنی چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم مادی قوتوں کے علاوہ ایسے فوق الانسانی عوامل کو بھی تاریخ میں فیصلہ کن پارٹ ادا کرتے دیکھتے ہیں جن کو مشیت کے زیرِعنوان دکھا جا سکتا ہے اور جس کی ایک ذرا سی جھلک قصہ خضر میں دکھائی گئی ہے۔ یہی مشیت کی قوت کبھی ناسازگار حالات میں یکایک ایسا نیا راستہ کھول دیتی ہے جس کا عقلی طور پر پیشتر سے کوئی تصور نہیں ہوتا۔ بارہا فضائے ترقی میں بال جُنباں تو بلند پروازی کرتے کرتے یکایک نیچے گر جاتی ہیں۔ کتنے ہی تخت اُلٹتے رہتے ہیں، کتنے ہی تاج ہمارے سامنے ٹھوکروں کی زد میں آئے، کتنے ہی حالات ہیں جن سے برآمد ہونے والے نتائج کے بارے میں لوگوں نے جو قطعی اندازے کیے تھے، وہ وقت آنے پر بالکل غلط ہو کر رہ گئے۔ انڈونیشیا میں کمیونسٹ انقلاب کے لیے دس سال پہلے وسیع افرادی قوت نے اپنی مکمل تیاری کر لی تھی کہ کوئی راہ نجات دکھائی ہی نہ دیتی تھی، مگر لمحہ معین آیا تو انقلاب کو پہلا قدم اُٹھاتے ہی شکست ہو گئی۔ ابھی پرتگال میں سُرخ انقلاب اُمڈ رہا تھا، مگر فوجی تسلّط کے باوجود (باقی ص ۴۴)